QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

سلاطین وامراء کو دعوت دین کے اسالیب اور عصر حاضر کے چیلینجز: تحقیقی مطالعہ

Preaching Islam to Rulers and Sultans in the Context of Contemporary Challenges: A Research-Based Study

Muhammad Nadeem Anwar
Doctoral Candidate, Dept. of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur. Email: mnadeemanwar123@gmail.com
Dr. Ghulam Haider
Associate Professor/Chairman, Dept. of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur. Email: ghulam.haider@iub.edu.pk

This article explores the methods of inviting rulers and elites to Islam and their role in shaping an Islamic society. It begins by highlighting the significance of da‘wah, emphasizing that it is not merely a moral duty but a fundamental religious obligation. The Qur’an, Sunnah, and the Prophetic Seerah demonstrate that prophets consistently addressed leaders and rulers, recognizing their influence on society at large. The Prophet Muhammad ﷺ invited both tribal chiefs in Makkah and foreign rulers during the Madinan period through letters, dialogue, and diplomatic initiatives. The Rightly Guided Caliphs continued this mission with justice, tolerance, and wisdom.

In the contemporary era, inviting rulers remains essential. Effective approaches include diplomatic engagement, intellectual dialogue, modern media, interfaith initiatives, humanitarian services, economic cooperation, and presenting Islam’s ethical values. Nonetheless, political, economic, intellectual, social, and global challenges persist. These can be addressed through patience, wisdom, and the strategic use of modern means. By doing so, rulers can be brought closer to Islam, paving the way for the establishment of a just and welfare-oriented Islamic society.

Keywords: Da‘wah, Sultans and Rulers, Caliphs, Islamic Society, Prophetic Biography, Diplomacy, Dialogue, Contemporary Challenges.

DOAJ
Academic Resource Index ResearchBib
Journament
CiteFactor
اشاریہ اردو جرائد
Eoi Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

تمہید

دعوتِ دین اسلام کا سب سے بنیادی اور ہمہ گیر فریضہ ہے۔ قرآنِ کریم نے اُمتِ محمدیہ ﷺ کو "خیرِ اُمت" اسی لیے قرار دیا کہ وہ انسانیت کو اللہ کے دین کی طرف بلانے کا فریضہ ادا کرے۔ انبیاء علیہم السلام سے لے کر خاتم النبیین ﷺ تک یہ تسلسل جاری

رہا کہ انسان کو توحید، رسالت اور آخرت کی یاد دہانی کرائی جائے اور باطل نظاموں کو حق کے سامنے جھکایا جائے۔ دعوت کا دائرہ صرف عوام تک محدود نہ رہا بلکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور بعد ازاں خلفائے راشدینؓ نے بڑے بڑے بادشاہوں، سلاطین اور امراء کو بھی اللہ کے دین کی طرف متوجہ کیا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جب قیادت اور حکومت کے ایوانوں میں دین کا چرچا ہو تو پورے معاشرے میں اس کے اثرات زیادہ گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں سلاطین و امراء کو دعوتِ دین کے مختلف اسالیب اور ان کے اثرات کو قرآن و سنت اور تاریخ کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کس طرح ان حکمرانوں کے قبولِ اسلام یا ان کی دینی حمایت نے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

سلاطین وامراء کو دعوت دینا ایک مشکل لیکن اہم فریضہ ہے، کیونکہ وہ معاشرے کی ڈوریں سنبھالتے ہیں۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے نہ صرف ان کی ذات بلکہ ان کے زیر اثر معاشرے میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو سراپا ہدایت اور منبع رحمت ہے۔ ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ نوع انسانی کے لیے مکمل ضابطہ حیات اور نبی ﷺ کی صداقت پر دائمی معجزہ ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قرآن مجید کی آیات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی، وہیں اس کی تعلیمات سمجھنے والے انسان کے لیے آسان بھی بنا دیا ہے کیونکہ قرآن مجید کی تعلیم کو نبی ﷺ کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں میں سے اہم ذمہ داری قرار دیا ہے: ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (1)۔ آنحضور ﷺ اس کتاب کے اوّلین شارح ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (2)۔

دعوتِ دین کی حقیقت اور اہمیت

اسلامی شریعت میں دعوت دینا محض اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ ایک عظیم شرعی فریضہ ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (3)

اس آیت میں تین بنیادی اصول سامنے آتے ہیں: حکمت، موعظۂ حسنہ اور مجادلہ بالتی ہی احسن۔ یہ تینوں اسالیب دعوتی منہج کی اساس ہیں اور ہر دور میں داعیانِ حق کو ان ہی خطوط پر اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے۔

احادیثِ نبویہ ﷺ میں بھی دعوت کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فوالله لأن يهدى بك رجل واحد خير لك من حمر النعم۔(4)

"اگر اللہ تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ دعوتِ دین کا کام انفرادی نجات ہی نہیں بلکہ اجتماعی فلاح کا ذریعہ بھی ہے۔ چنانچہ اسلام نے داعی کو محض مبلغ یا خطیب نہیں بلکہ ایک مصلح، رہنما اور حکیم کی حیثیت دی ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کا فریضہ ادا کرتا ہے۔

دعوتِ دین کی اہمیت کو اگر سلاطین و امراء کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی افادیت دوچند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حکمران طبقہ عوام کے لیے نمونہ اور ریاستی فیصلوں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر وہ دین کے قریب آجائے تو عوام الناس بھی اس کے اثر سے دین کی طرف

راغب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوت کے ابتدائی دور سے ہی قریش کے سرداروں کو اسلام کی طرف متوجہ کیا اور مدنی عہد میں بڑے بڑے بادشاہوں کو خطوط ارسال فرمائے۔

انبیاء ورسل کے ہاں دعوتی حکمتِ عملی

انبیاء کرام کی دعوت الی اللہ میں مشترکہ نکات توحید باری تعالیٰ اور ایمان بالرسالت ہیں۔ مثال کے طور پر، حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی نافرمانیوں جیسے بتوں کو پوجنا، ناپ تول میں کمی، لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے دینا، معاشی فساد، اور عوام کو گمراہ کرنا، کے خلاف ناصحانہ اور خیر خواہانہ انداز میں دعوت دی ([5])۔ ان کا اسلوب لوگوں کے طعنہ زنی پر صبر، قول و عمل میں یکسانیت، ([6]) ترغیب وترہیب ([7])، توکل اور رجوع الی اللہ ([8])، اور داعی کا امین ہونا پر مشتمل تھا۔ ([9])

قرآنِ کریم میں مختلف انبیاء علیہم السلام کے دعوتی مناہج تفصیل سے بیان ہوئے ہیں تاکہ امتِ محمدیہ ﷺ کے لیے ایک عملی مثال قائم ہو۔ انبیاء کی دعوت میں اگرچہ بنیادی پیغام ایک ہی رہا، یعنی توحیدِ باری تعالیٰ اور شرک کی نفی، مگر ان کے اسالیب زمان و مکان کے لحاظ سے مختلف تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تقریباً نو سو سال تک دن رات، علانیہ اور انفرادی طور پر دعوت دی۔ ان کے صبر واستقامت نے یہ واضح کیا کہ داعی کو تھکن اور مایوسی سے بالاتر رہ کر اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمرانِ وقت اور اپنی قوم کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی۔ انہوں نے علمی و فکری مناظرے کیے اور بت پرستی کے بطلان کو دلائل وبراہین سے واضح کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہِ راست فرعون جیسے جابر حکمران کے دربار میں دعوت دینے کا حکم دیا گیا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ([10])

اس آیت میں دعوت کے ایک اہم اصول کی نشاندہی کی گئی ہے کہ سخت گیر حکمران کو بھی نرمی اور حکمت سے دعوت دی جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو شریعت موسوی کی روح اور حقیقی مقصد کی طرف متوجہ کیا اور ان کی بدعات اور تحریفات پر تنقید کی۔

ان تمام انبیاء کے ہاں یہ بات مشترک تھی کہ انہوں نے عوام کے ساتھ ساتھ قیادت اور سرداروں کو بھی دعوت دی، کیونکہ یہی طبقہ معاشرے پر سب سے زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اسالیبِ دعوت اور حکمرانوں کو خطوط

رسول اکرم ﷺ کی پوری حیات مبارکہ دعوت الی اللہ کے لیے وقف تھی۔ آپ ﷺ نے عوام الناس کے ساتھ ساتھ قریش کے سرداروں اور بعد ازاں غیر مسلم حکمرانوں کو بھی اسلام کی طرف بلایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت کا دائرہ محدود نہ تھا بلکہ اسے ریاستی و بین الاقوامی سطح تک وسیع کیا گیا تھا۔

مکی عہد میں دعوتی طرزِ عمل

ابتدائی مکی دور میں آپ ﷺ نے خفیہ انداز میں چند مخصوص افراد کو دعوت دی، مگر جب علانیہ دعوت کا حکم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ قریش چونکہ پورے جزیرۂ عرب پر اثرانداز تھے اس لیے ان کا قبولِ اسلام پورے معاشرے پر اثر ڈال سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی معاشی اور سیاسی برتری کے زعم میں انکار کیا([11])۔

مدنی عہد اور خطوط

مدینہ منورہ میں ریاست قائم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے دعوت کے دائرے کو بین الاقوامی سطح تک پھیلایا۔ سب سے پہلے یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاہدات اور میثاق مدینہ کیا، پھر مختلف حکمرانوں کو خطوط بھیجے:

- **ہرقل قیصر روم** کے نام خط بھیجا جس میں اسلام کی دعوت دی۔ اس نے خط پڑھ کر حقانیت کو تسلیم کیا لیکن سیاسی دباؤ کے باعث اسلام قبول نہ کیا([12])۔
- **نجاشی حکمران حبشہ** نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کو اپنی سلطنت میں مکمل آزادی دی۔([13])
- **مقوقس حکمران مصر** کو بھی خط لکھا گیا۔ اس نے اسلام قبول نہ کیا مگر احترام کے ساتھ جواب دیا اور تحائف بھیجے۔([14])
- دیگر عرب امراء کو بھی خطوط بھیجے گئے جیسے اکیدر دومۃ الجندل اور منذر بن ساوی وغیرہ۔([15])

یہ خطوط دعوت کے ساتھ ساتھ حکمت و سفارت کا بھی اعلیٰ نمونہ تھے۔

خلفائے راشدین اور سلاطین کو دعوتِ دین

آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کا درجہ ہے، کیونکہ وہ ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ ﴾(16) کا مصداق ہیں۔ دین کی دعوت دینا انبیاء کرام کی سنت مبارکہ ہے۔ اور پھر صحابہ میں بالخصوص خلفائے راشدین اس امر کے مخاطب تھے کیونکہ وہ مسندِ خلافت کے والی ہونے کی وجہ سے دعوت الی الحق کے زیادہ ذمہ دار تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ

ارتداد اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کے فتنے کے مقابلے میں آپؓ نے جہاد کیا۔ آپؓ نے پورے جزیرۂ عرب کو اسلام کے زیرِ سایہ لانے میں کامیابی حاصل کی اور قبیلوں کے سرداروں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی([17])۔

حضرت عمر فاروقؓ کا اسلوب دعوت::

عہد فاروقی میں بھی غیر مسلم شہریوں کے تحفظ اور حقوق کے ساتھ ساتھ نفسِ انسانی کے احترام اور وقار میں اس قدر اضافہ ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم شہری اسلامی ریاست میں اپنے آپ کو زیادہ محفوظ اور آزاد سمجھتے تھے۔ اور ان کی عبادت گاہوں کا بھی سرکاری تحفظ حاصل تھا۔ اس کا اعتراف مشہور مستشرق (orientalist) منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) نے بھی کیا ہے:

The Christians were probably better off as dhimmis under Muslim Arab rulers than they had been under the Byzantine Greeks.([18])

(عیسائی، عرب مسلم حکمرانوں کے دورِ اقتدار میں بطور غیر مسلم شہری اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں رہنے سے زیادہ محفوظ اور بہتر سمجھتے تھے۔)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکومتی دور میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے تحفظ کا اندازہ آپ کے مندرجہ ذیل فرامین اور روایات سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان ارسال کیا، اس میں دیگر ہدایات کے ساتھ ایک یہ بھی شامل تھا:

"وَامْنَع الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ ظُلْمِهِمْ وَالْإِضْرَارِ بِهِمْ وَأَكْلِ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا بِحِلِّهَا-"([19])

"تم بحیثیت گورنر) مسلمانوں کو غیر مسلم شہریوں پر ظلم کرنے اور انہیں ضرر پہنچانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے سختی کے ساتھ منع کرو۔"

حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عثمان غنیؓ نے اس سابقہ معاہدے کو برقرار رکھا اور اس پر مکمل عملدرآمد کی ہدایت دی۔ جب ولید بن عقبہ نے اس معاملے پر شکایت کی، تو حضرت عثمانؓ نے فوراً ایک خط لکھا اور اس معاہدے پر عملدرآمد کو یقینی بنایا۔ حضرت عثمانؓ کی بصیرت اور دور اندیشی کا اندازہ لگائیں کہ انہوں نے ولید کو حکم دیا کہ وہ اس معاہدے کو پڑھ کر عیسائیوں کو واپس کر دے، تاکہ آئندہ اگر کوئی ان کے حقوق میں تجاوز کرے یا ان کے تسلیم شدہ حقوق کو پامال کرے، تو یہ معاہدہ ان کے پاس بطور ثبوت موجود ہو۔ حضرت عثمان غنیؓ کا یہ خط ملاحظہ فرمائیں:

"اللہ کے بندے، امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے ولید بن عقبہ کو سلام۔

اللہ کی حمد کے بعد، میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ امابعد! عراق میں نجران کے جو باشندے ہیں، ان کے اسقف، عاقب اور سرداروں نے میرے پاس آکر مجھ سے شکایت کی اور وہ شرط مجھے دکھائی جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ طے کی تھی۔ مجھے یہ علم ہوا کہ مسلمانوں کو ان لوگوں کی جانب سے کچھ نقصان پہنچا ہے، اس لئے میں نے ان کے جزیہ میں سے 30 جوڑے کم کر دیے ہیں، اور انہیں یہ رقم اللہ کی راہ میں بخش دی ہے۔ مزید یہ کہ میں نے وہ تمام زمینیں ان کو دے دی ہیں جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمنی زمین کے بدلے انہیں صدقہ کی تھی۔ تمہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ذمہ داری حاصل ہے اور میرے اور ان کے تعلقات اچھے رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو صحیفہ ان کے لیے تحریر کیا تھا، اسے غور سے دیکھو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے، اس پر عمل کرو۔ جب تم اس صحیفے کو پڑھ لو تو اسے واپس انہیں دے دینا"۔ (20)

حضرت علی المرتضیٰؓ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اپنے پیش روحضرات کے تسلسل کو برقرار رکھا، دین اسلام کی زریں تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور عدل و انصاف کا معاملہ کیا، جس کی بدولت دین اسلام کی دعوت عام ہوئی اور لوگوں اسلام کی ان عادلانہ اور بے مثال تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

حضرت علیؓ (علیہ السلام) نے جنگ صفین میں اپنی زرہ کھو دی۔ بعد میں وہ یہودی کے پاس پائی گئی۔ آپؓ اسے لے کر قاضی شریح کے پاس پہنچے اور اس یہودی کے ساتھ مقدمہ پیش کیا۔ آپؓ قاضی کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا:

"اگر میرا مخالف یہودی نہ ہوتا تو میں اس کے برابر بیٹھتا، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ذمی (غیر مسلم شہری) کو مجلس میں برابر نہ بٹھاؤ۔" پھر آپؓ نے اپنی زرہ کا دعویٰ کیا، مگر یہودی نے انکار کر دیا۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ سے گواہ طلب کیے، تو آپؓ قنبر اور امام حسنؓ کو بطور گواہ لے آئے۔ قاضی نے کہا": بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاسکتی۔" یہ سن کر یہودی حیران رہ گیا اور کہنے لگا:"امیر المؤمنین خود اپنے قاضی کے پاس مقدمہ لے کر آئے اور قاضی نے ان کے خلاف

فیصلہ دیا! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور یہ زرہ واقعی آپ کی ہے، اے امیر المؤمنین۔"([21])

عصر حاضر میں سلاطین وامراء کے لیے دعوتی مناہج

اسلامی تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جب بھی حکمران طبقہ دین کے قریب آیا تو پورا معاشرہ دین کے رنگ میں رنگ گیا، اور جب وہ دین سے دور ہوا تو عوام پر بھی اس کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ آج کے دور میں بھی یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اگر سلاطین و امراء کو حکمت کے ساتھ دعوت دی جائے اور وہ اسلام کے اصولوں کو اپنائیں تو پورا سماج عدل و انصاف کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مختلف عملی اور فکری مناہج موجود ہیں جو موجودہ حالات میں مؤثر ہو سکتے ہیں۔

تاریخی واقعات کے تجزیے سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمرانوں کے اسلام قبول کرنے سے سیاسی منظر نامے، دینی طریقے، اور ثقافتی اصولوں میں گہری تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مثال کے طور پر، خلفاء راشدین کے دور میں فتح شام اور مصر نے اسلامی اقدار کو ادارہ جاتی شکل دی ([22])۔

۱۔ سفارتی اور بین الاقوامی تعلقات کا استعمال

اسلام میں سفارت کو دعوت کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم بادشاہوں کو خطوط لکھ کر یہی اسلوب اپنایا۔ عصرِ حاضر میں اقوام متحدہ، او آئی سی اور دیگر عالمی اداروں میں اسلامی نمائندے سلاطین و امراء کے سامنے اسلام کی حقیقت پیش کر سکتے ہیں۔ آج کے حکمران بین الاقوامی تعلقات کے ذریعے ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر مسلم نمائندے حکمت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو پیش کریں تو اس کا براہِ راست اثر عالمی سطح پر حکمرانوں کے رویّوں پر پڑ سکتا ہے۔

۲۔ علمی و فکری مکالمہ

دعوتِ دین کا ایک مؤثر اسلوب علمی و فکری مکالمہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ([23])

آج کے دور میں حکمران طبقہ عموماً اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پالیسی ساز طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسے افراد کے لیے علمی و فکری بنیادوں پر اسلام کی حقانیت کو واضح کرنا ناگزیر ہے۔ اس مقصد کے لیے تحقیقی کانفرنسیں، بین المذاہب ڈائیلاگ، سیمینارز اور علمی کتب کی اشاعت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ سیرتِ نبوی میں نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ مکالمہ ایک نمایاں مثال ہے۔([24])

۳۔ ذرائع ابلاغ اور جدید ٹیکنالوجی

عصرِ حاضر میں میڈیا و کمپیوٹر نے گلوبل کی شکل اختیار کر لی ہے، پہلے پہل جب کسی کو کوئی پیغام پہنچانا ہوتا تو اس کے لیے مہینوں لگ جایا کرتے تھے اور یہ بھی اندیشہ ہوتا کہ کہیں پیغام پہنچانے والا اصل بات کو حذف کر کے کوئی غلط کام کی تشریح نہ کر دے، جدید دور نے ان تمام مسائل سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے، دعوت و پیغام کی جدید شکلیں سامنے آ چکی ہیں، جن کی مدد لے کر امراء و سلاطین تک دعوتِ دین کے پیغام کو مؤثر انداز میں پہنچایا جا سکتا ہے۔([25])

چنانچہ عصرِ حاضر کا سب سے مؤثر ہتھیار میڈیا ہے۔ ریاستی سربراہان اور امراء میڈیا کے ذریعے اپنی پالیسی تشکیل دیتے ہیں اور دنیا تک اپنی سوچ پہنچاتے ہیں۔ اگر اسلامی دعوت کو عصری میڈیا اور ٹیکنالوجی کے ذریعے ان تک پہنچایا جائے تو اس کے اثرات دیرپا ہو سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے کے سب سے مؤثر ذرائع استعمال کیے، جیسے شعراء کے ذریعے دعوتی پیغام پہنچانا۔ آج یہ کام ٹی وی، ریڈیو، اخبارات، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اسلامی اسکالرز اور مسلم نمائندے مختلف زبانوں میں حکمرانوں کے لیے باضابطہ پیغامات تیار کر کے ان کے میڈیا چینلز تک پہنچا سکتے ہیں۔

۴۔ بین المذاہب و تہذیبی مکالمہ

دنیا کے مختلف خطوں میں حکمران مذہب کو اہمیت دیتے ہیں، جیسے پوپ رومن کیتھولک دنیا میں ایک بڑی روحانی اتھارٹی ہے۔ اگر مسلم اہلِ علم اور رہنما بین المذاہب مکالموں میں شرکت کریں تو یہ حکمرانوں تک اسلام کے حقیقی پیغام کو پہنچانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ کتاب کے ساتھ مکالمہ کیا اور ان کو توحید کی طرف بلایا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:

"قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ"[26]

یہ آیت براہِ راست اہلِ کتاب کے ساتھ مکالمے اور ایک مشترکہ بنیاد قائم کرنے کی دعوت کی حمایت کرتی ہے۔ اسی سنت کو آج زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ عملی نمونہ اور خدمتِ انسانیت

دعوت صرف زبانی پیغام تک محدود نہیں بلکہ عملی نمونہ سب سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ اگر مسلم ممالک کے امراء اور نمائندے عالمی سطح پر خدمتِ انسانیت کے میدان میں کردار ادا کریں تو غیر مسلم حکمران اسلام کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر قدرتی آفات میں امداد، غربت کے خاتمے کے منصوبے، اور صحت کے میدان میں تعاون ایسی راہیں ہیں جو حکمرانوں کو اسلام کے قریب لا سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس اسلوب کو اپنایا، جیسا کہ قریش اور یہودیوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا۔[27]

۶۔ سیاسی و معاشی تعاون کے ذریعے دعوت

معاشی تعلقات آج کے دور میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں یہود کے ساتھ معاشی معاہدات کیے۔ اگر موجودہ دور میں مسلم ممالک کے امراء غیر مسلم حکمرانوں کے ساتھ معاشی تعاون کو بنیاد بنا کر اسلام کے اصولِ عدل و انصاف کو اجاگر کریں تو یہ ایک مؤثر دعوتی ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی خامیوں کو واضح کر کے اسلامی معیشت کے اصول پیش کیے جا سکتے ہیں۔[28]

۷۔ دینی و اخلاقی کردار کی پیشکش

اسلام کی دعوت کا سب سے مؤثر ذریعہ اعلیٰ اخلاق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو "اُسوہ حسنہ" بنا کر پیش کیا گیا۔ عصرِ حاضر کے امراء اور نمائندے اگر حکمرانوں کے سامنے اسلام کو صرف نظریاتی یا سیاسی دین کے طور پر نہیں بلکہ اخلاقی و انسانی دین کے طور پر پیش کریں تو یہ زیادہ مؤثر ہو گا۔ حکمران اپنے عوام کی بہتری چاہتے ہیں، اگر ان کے سامنے اسلام کو ایک فلاحی نظام کے طور پر رکھا جائے تو ان کے لیے اس کو قبول کرنا آسان ہو گا۔

۸۔ اسلامی اداروں اور تنظیموں کا کردار

آج دنیا بھر میں اسلامی تنظیمیں اور ادارے موجود ہیں جو بین الاقوامی سطح پر متحرک ہیں۔ ان اداروں کو چاہیے کہ وہ مختلف ریاستی سطح کے پروگرام ترتیب دے کر غیر مسلم حکمرانوں کو اسلام سے روشناس کرائیں۔ مثال کے طور پر اسلامی فقہ اکیڈمی، رابطہ عالم اسلامی اور اسلامی کانفرنس تنظیم (OIC) اس حوالے سے بڑے پلیٹ فارم بن سکتے ہیں۔

۹۔ عصری چیلنجز کے تناظر میں دعوت

گلوبلائزیشن، سیکولرزم اور لبرل ازم کے غلبے کے باوجود حکمران طبقہ مذہب کے اثر سے مکمل آزاد نہیں۔ عصرِ حاضر میں حکمرانوں کو دعوت دیتے وقت درج ذیل نکات پیش کیے جاسکتے ہیں:

- اسلام انسانی حقوق کا حقیقی ضامن ہے۔
- اسلام ماحولیاتی تحفظ، انصاف اور عالمی امن کا دین ہے۔
- اسلام دہشت گردی کی نفی اور اعتدال پسندی کا علمبردار ہے۔

یہ نکات حکمرانوں کے سیاسی وسماجی رجحانات کے قریب ہیں اور اس بنیاد پر اسلام کی حقانیت ان تک پہنچائی جاسکتی ہے۔

دعوتِ دین میں درپیش مشکلات اور ان کا تدارک

دعوتِ دین اسلام کا وہ فریضہ ہے جو ہر نبی کی بعثت کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں اس کی فضیلت اور اہمیت بار بار بیان ہوئی ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی تاریخ سے واضح ہے کہ دعوت کا راستہ کبھی ہموار نہیں رہا۔ انبیاء علیہم السلام، رسول اللہ ﷺ اور بعد ازاں خلفائے راشدینؓ کو جب حکمرانوں اور سلاطین کے سامنے دین کی دعوت پیش کرنی پڑی تو انہیں مختلف نوعیت کی مشکلات کا سامنا ہوا۔ یہی مشکلات عصرِ حاضر میں مزید گہری اور پیچیدہ ہو چکی ہیں۔ ان کا ادراک اور تدارک لازمی ہے تاکہ سلاطین وامراء تک اسلام کا پیغام مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔

ا۔ سیاسی مشکلات اور ان کا حل

حکمرانوں کی اقتدار پسندی

سلاطین وامراء کو دعوتِ دین دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ سیاسی نوعیت کی ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنے اقتدار، رعایا پر کنٹرول اور ریاستی نظم ونسق کو سب سے زیادہ مقدم رکھتے ہیں۔ اگر انہیں یہ خدشہ لاحق ہو کہ اسلام قبول کرنے یا اس کی تعلیمات کو رائج کرنے سے ان کی سیاسی برتری یا اقتدار کمزور ہو جائے گا تو وہ دعوت کو سننے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیاسی دباؤ، بین الاقوامی تعلقات اور داخلی شورشیں بھی ایسی رکاوٹیں ہیں جو انہیں دین کی طرف متوجہ ہونے سے روک دیتی ہیں۔ بعض اوقات علماء و مبلغین کی دعوت کو سیاسی بغاوت یا اقتدار کے لیے خطرہ سمجھا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں دعوت کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ اکثر حکمران اپنی سلطنت اور اقتدار کے خوف سے دین کی دعوت کو رد کر دیتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو اس لیے جھٹلایا کہ اسے اپنی بادشاہت ختم ہونے کا خدشہ تھا: فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ([29])۔ اسی طرح قریش کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو محض اس خوف سے رد کیا کہ ان کی سرداری ختم نہ ہو جائے۔([30])

بین الاقوامی دباؤ

قیصرِ روم ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر اسلام کی حقانیت کو پہچانا، لیکن درباری اشرافیہ اور سیاسی دباؤ کے باعث اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[31]

تدارک

اس کا تدارک اس بات میں ہے کہ داعیانِ دین حکمت اور بصیرت کے ساتھ گفتگو کریں، دعوت کو بغاوت یا سیاسی خطرہ کے بجائے خیر خواہی اور بھلائی کے انداز میں پیش کریں۔ اگر اسلام کی تعلیمات کو معاشرتی عدل، امن، رعایا کی خوشحالی اور ریاستی استحکام کے تناظر میں بیان کیا جائے تو سلاطین کو یہ احساس ہو گا کہ اسلام ان کے اقتدار کو خطرے میں ڈالنے نہیں بلکہ مضبوط کرنے والا ہے۔ اسی طرح داعی کو چاہیے کہ وہ حکمرانوں کے ساتھ سفارتی اسلوب، نرمی اور خیر خواہی کی زبان اختیار کرے تاکہ سیاسی رکاوٹیں کم سے کم ہوں۔

اور خلفائے راشدینؓ نے سیاسی مخالفین کے سامنے اسلام کو عدل و انصاف کے دین کے طور پر پیش کیا، تاکہ حکمران اسے اپنے اقتدار کے لیے خطرہ نہ سمجھیں بلکہ تقویت کا ذریعہ جانیں۔[32]

۲۔ معاشی مفادات کا ٹکراؤ

سلاطین و امراء کو دعوتِ دین دینے میں ایک بڑی رکاوٹ ان کے معاشی مفادات کا ٹکراؤ ہے۔ اکثر حکمرانوں کی سلطنتیں تجارت، خراج، یا ایسے ذرائع آمدن پر قائم ہوتیں جنہیں وہ اسلام کے احکامات کے ساتھ متصادم سمجھتے تھے۔ قریش کے سرداروں نے بھی اسلام کی مخالفت اسی بنیاد پر کی کہ ان کی تجارت اور معاشی برتری بت پرستی اور خانہ کعبہ میں موجود اصنام سے جڑی ہوئی تھی۔۔[33] وہ جانتے تھے کہ اگر توحید کا غلبہ ہوا تو ان کے کاروبار اور سرمایہ دارانہ نظام کو نقصان پہنچے گا۔ اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی بعض حکمرانوں نے سودی لین دین، ناجائز ٹیکسوں یا استحصالی نظام کی وجہ سے اسلام کی تعلیمات کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھا۔

سرمایہ دارانہ جکڑبندی

قریش کے سرداروں نے اسلام کی مخالفت اس لیے کی کہ ان کی تجارت اور معیشت بتوں کی پوجا کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر توحید قائم ہو گئی تو ان کے معاشی مفادات ختم ہو جائیں گے

تاریخی مثالیں

فارس و روم کے حکمرانوں نے بھی اسلام کو قبول نہ کیا کیونکہ انہیں اپنے معاشی ڈھانچے اور جاگیر دارانہ نظام کے ٹوٹنے کا خطرہ تھا۔[34]

تدارک

اس رکاوٹ کا حل یہ ہے کہ داعیانِ دین حکمرانوں کو یہ باور کرائیں کہ اسلام صرف پرانے مفادات کے خاتمے کا نام نہیں بلکہ ایک نئے، منصفانہ اور دیرپا معاشی نظام کا ضامن ہے۔ اگر سلاطین اسلام کی تعلیمات کو اپنائیں تو رعایا کے اندر عدل و مساوات پیدا ہو گا، جس سے بغاوت اور شورش کا خطرہ کم ہو گا اور ان کی سلطنت مزید مستحکم ہو گی۔ اسی طرح اسلامی معیشت کے اصول، جیسے زکوٰۃ،

بیت المال اور سود کی حرمت، معاشی ناہمواری کے حقیقی حل کے طور پر پیش کیے جائیں۔ یہ حکمرانوں کو دکھایا جائے کہ اسلام معیشت کو کمزور نہیں بلکہ زیادہ مضبوط کرتا ہے۔

۳۔ سیکولر اور لبرل فکر

عصرِ حاضر میں غیر مسلم حکمرانوں کو دعوتِ اسلام دینے میں سب سے بڑی علمی و فکری رکاوٹ ان کی سیکولر اور لبرل فکر ہے۔ وہ مذہب کو محض انفرادی زندگی تک محدود سمجھتے ہیں اور ریاستی معاملات کو اس سے بالکل الگ رکھنے کو بظاہر اپنی بقا اور ترقی کی ضمانت مانتے ہیں۔ اس سوچ کے تحت وہ اسلام کو بطورِ نظامِ حیات قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے، کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کا نفاذ مذہب کو ریاستی سطح پر غالب کرنے کے مترادف ہے، جو ان کے قائم کردہ سیکولر ڈھانچے کے لیے خطرہ ہے۔ اس کے نتیجے میں جب بھی اسلام کی بات کی جاتی ہے، وہ اسے اپنی سیاسی خودمختاری، قانون سازی کی آزادی اور بین الاقوامی تعلقات کے لیے رکاوٹ سمجھتے ہیں۔

تدارک:

اس رکاوٹ کا حل یہ ہے کہ اسلام کو مثبت انداز میں بطور ایک ہمہ جہت نظام پیش کیا جائے جو فرد، معاشرہ اور ریاست تینوں کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اگر حکمرانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ اسلامی اصول انسانی آزادی، سماجی عدل اور ریاستی استحکام کے ضامن ہیں، تو ان کے لیے سیکولر فکر کو اسلام کی روشنی میں پرکھنا آسان ہو گا۔

اسلاموفوبیا اور مغربی بیانیہ

ایک اور بڑی علمی و فکری رکاوٹ اسلاموفوبیا اور مغربی بیانیہ ہے۔ مغربی میڈیا اور پالیسی ساز اداروں نے اسلام کو شدت پسندی، دہشت گردی اور انتہاپسندی کے ساتھ جوڑ دیا ہے، جس کے نتیجے میں غیر مسلم حکمران اسلام کو ایک حقیقی خطرہ سمجھنے لگے ہیں۔ وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ اسلام اگر غالب آیا تو یہ جمہوریت، آزادیٔ رائے اور انسانی حقوق کے لیے چیلنج بن جائے گا۔ اس پروپیگنڈے کے سبب حکمران طبقہ اسلام کے ساتھ کھلے دل سے مکالمہ کرنے سے بھی کتراتا ہے۔

تدارک:

اسلاموفوبیا اور مغربی بیانیے کا تدارک اس طرح ممکن ہے کہ اسلام کے حقیقی چہرے کو علمی اور تحقیقی انداز میں پیش کیا جائے اور پیدا کردہ مغالطوں کو دلائل و حقائق کے ذریعے دور کیا جائے۔ قرآن کریم نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ([35])۔ اسی طرح دعوت کے اسلوب کے بارے میں واضح ہدایت دی گئی: ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ([36])۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا پیغام جبر یا سیاسی غلبہ نہیں بلکہ رحمت، حکمت اور انسانیت کی فلاح ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی قیصر و کسریٰ جیسے حکمرانوں کو دعوت دیتے وقت اسلام کو امن اور سلامتی کے پیغام کے طور پر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے قیصر روم کو خط میں فرمایا: أَسْلِمْ تَسْلَمْ، يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ([37])۔ اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ"[38]۔ یہ نصوص اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ اسلام کا مقصد انسانیت کے لیے امن، عدل اور بھلائی ہے، اور آج بھی اگر اسی سنت کے مطابق اسلام کو پیش کیا جائے تو اسلاموفوبیا کی دیوار کمزور کی جا سکتی ہے۔

۴۔ سماجی و مذہبی دباؤ

مذہبی تعصب

مدینہ کے یہودی سردار اپنے عوامی اثر و رسوخ کے باعث اسلام کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ انہوں نے اپنے ہی سرداروں کو اسلام قبول کرنے سے روکا۔([39])

عوامی دباؤ

اکثر حکمران عوامی دباؤ کی وجہ سے کسی نئے دین کو قبول نہیں کرتے۔ اگر عوام اس کے لیے تیار نہ ہوں تو حکمران بھی پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

تدارک

دعوت دیتے وقت حکمرانوں کو باور کرایا جائے کہ اسلام عوامی فلاح اور معاشرتی عدل کا دین ہے۔

۵۔ میڈیا اور پروپیگنڈہ

اسلام کو شدت پسندی سے جوڑنا

عصرِ حاضر میں عالمی میڈیا نے اسلام کو دہشت گردی کے مترادف بنا دیا ہے۔ یہ تاثر غیر مسلم حکمرانوں میں اسلام دشمنی پیدا کرتا ہے۔

تدارک

مسلمانوں کو میڈیا کے مثبت استعمال کے ذریعے اسلام کی اصل تصویر دنیا کے سامنے رکھنی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے شعراء کو دعوتی مقاصد کے لیے استعمال کیا، آج یہ کردار میڈیا اور سوشل پلیٹ فارمز ادا کر سکتے ہیں۔([40])

۶۔ عصری چیلنجز اور ان کا تدارک

گلوبلائزیشن

موجودہ دور میں سلاطین و حکمرانوں کو دعوتِ اسلام دینے میں ایک بڑی رکاوٹ گلوبلائزیشن ہے۔ عالمگیریت کے اس سیلاب نے دنیا کو مغربی تہذیب، معیشت اور اقدار کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، جس کے نتیجے میں حکمران طبقہ ترقی کے معیار کو مغربی اندازِ فکر اور طرزِ زندگی کے ساتھ جوڑنے لگا ہے۔ اس ثقافتی یلغار نے اسلام کو صرف ایک مذہبی یا اخلاقی پیغام تک محدود کر کے پیش کیا، جبکہ اسے ایک ہمہ گیر نظامِ حیات کے طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ نتیجتاً حکمران یہ سوچنے لگے ہیں کہ اگر وہ اسلامی نظام کو اپنائیں گے تو بین الاقوامی تعلقات اور اقتصادی ترقی میں پیچھے رہ جائیں گے۔

تدارک:

اس چیلنج کا حل یہ ہے کہ داعیانِ دین اسلام کے عالمی پہلو کو اجاگر کریں اور یہ واضح کریں کہ اسلام عالمگیریت کا مخالف نہیں بلکہ اسے عدل و توازن کے ساتھ مثبت رخ دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے انسانیت کی ہدایت کے بارے میں فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا([41])

"ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

یہ آیت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلام ایک عالمی پیغام ہے جو ہر دور اور ہر تہذیب کے لیے موزوں ہے۔

انسانی حقوق کا مغربی تصور

ایک اور بڑی رکاوٹ انسانی حقوق کے مغربی تصورات ہیں۔ مغربی ممالک اور ان کے زیرِ اثر ادارے اسلام کے بعض احکام جیسے حدود، قصاص، یا عائلی قوانین پر انسانی حقوق کی آڑ میں اعتراض کرتے ہیں، اور غیر مسلم حکمران اس تنقید کو ایک حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام کی حاکمیت قائم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عالمی سطح پر انہیں مخالفت، تنہائی یا دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ تاثر انہیں اسلام کی دعوت قبول کرنے سے دور کرتا ہے۔

تدارک

اس رکاوٹ کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے عدل و انصاف پر مبنی انسانی حقوق کے حقیقی تصور کو پیش کیا جائے۔ قرآن نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا:وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ(42)یعنی "بیشک ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔" اسی طرح عدل و انصاف کے بارے میں ارشاد ہے:إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ(43)۔ یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام انسانیت کے حقوق اور عدل کے قیام میں سب سے زیادہ جامع اور فطری تعلیمات دیتا ہے، جو مغربی ماڈل سے کہیں زیادہ مؤثر اور پائیدار ہیں۔

۷۔ موجودہ عملی حکمتِ عملی

- عالمی اداروں (اقوام متحدہ، او آئی سی) میں اسلامی نمائندگی۔
- بین المذاہب کانفرنسوں اور علمی مکالمے کا فروغ۔
- خدمتِ انسانیت اور رفاہی سرگرمیوں کے ذریعے حکمرانوں کے دل جیتنا۔

خلاصہ:

یہ مضمون سلاطین و امراء کو دعوتِ دین کے مختلف اسالیب اور اسلامی معاشرے کی تشکیل میں ان کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ ابتدا میں دعوتِ دین کی حقیقت اور اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ صرف ایک اخلاقی فریضہ نہیں بلکہ شرعی ذمہ داری ہے۔ قرآن و سنت اور سیرتِ نبوی ﷺ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء کرام نے ہمیشہ قیادت اور حکمران طبقے کو خصوصی طور پر دعوت دی تاکہ پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مکی اور مدنی ادوار میں سردارانِ قریش اور غیر مسلم حکمرانوں کو خطوط اور مکالمے کے ذریعے اسلام کی طرف بلایا۔ خلفائے راشدین نے بھی عدل، رواداری اور حکمت عملی سے اس مشن کو جاری رکھا۔

عصرِ حاضر میں بھی سلاطین و امراء کو دعوت دینے کی ضرورت باقی ہے۔ اس کے لیے سفارتی تعلقات، علمی و فکری مکالمہ، ذرائع ابلاغ، بین المذاہب ڈائیلاگ، خدمتِ انسانیت، معاشی تعاون اور اخلاقی کردار جیسے مختلف مناہج کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔ تاہم اس راستے میں سیاسی، معاشی، فکری، سماجی اور عالمی سطح کے کئی چیلنجز بھی حائل ہیں جن کا تدارک صبر، حکمت، اور جدید ذرائع کے مؤثر استعمال سے کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح نہ صرف حکمران طبقہ اسلام کے قریب آ سکتا ہے بلکہ ایک منصفانہ اور فلاحی اسلامی معاشرے کی تشکیل بھی ممکن ہو سکتی ہے۔

نتیجہ بحث

دعوتِ دین انبیاء علیہم السلام کا سب سے بنیادی فریضہ رہا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس فریضے کو نہ صرف عوام الناس بلکہ سلاطین و امراء کی طرف بھی پوری حکمت، بصیرت اور تدبیر کے ساتھ پہنچایا۔ آپؐ کے عہدِ نبوی میں غیر مسلم حکمرانوں کو خطوط، سفارت کاری، مکالمہ اور عملی نمونہ ٔحیات کے ذریعے اسلام کی طرف متوجہ کیا گیا۔ اس عمل نے واضح کیا کہ دین کی آفاقی تعلیمات صرف انفرادی زندگی تک محدود نہیں بلکہ ریاستی، سیاسی اور معاشرتی سطح پر بھی انسانیت کو راہِ نجات فراہم کرتی ہیں۔

تاہم تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ اکثر حکمرانوں نے اپنی سیاسی بالادستی، معاشی مفادات اور سماجی حیثیت کے زوال کے خدشے کی وجہ سے اسلام کی دعوت قبول نہ کی۔ قریش مکہ، اہلِ مدین اور قیصر و کسریٰ کی مثالیں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ طاقت اور دولت کے نشے میں ڈوبا ہوا طبقہ دعوتِ حق کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ عصر حاضر میں بھی یہی صورت برقرار ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام، استعماریت، اور مذہبی تعصب کی دیواریں اسلام کی دعوت کے راستے میں حائل ہیں۔

ان رکاوٹوں کے باوجود یہ حقیقت اٹل ہے کہ اسلام کی دعوت فکری و اخلاقی بنیادوں پر آج بھی مؤثر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم اہلِ علم اور اہلِ دعوت عصر حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مکالمہ، علمی استدلال، عملی نمونہ اور سفارتی ذرائع استعمال کریں۔ ساتھ ہی اسلامی معاشی اور سماجی نظام کے عملی ماڈلز پیش کیے جائیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ اسلام صرف ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر ضابطہ ٔحیات ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ حکمرانوں اور صاحبانِ اقتدار تک دعوتِ دین پہنچانا مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ اگر حکمت، صبر اور اخلاص کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا جائے تو آج بھی اسلام کے پیغام کو عالمی سطح پر قبولیت حاصل ہو سکتی ہے، اور یہی وہ راہ ہے جس سے ایک عادل اور صالح اسلامی معاشرہ کی تشکیل ممکن ہے۔

---

[1] al-Qur'ān, 2:129

[2] al-Qur'ān, 16:44

[3] al-Qur'ān, 16:125.

[4] Muḥammad ibn Ismā'īl al-Bukhārī, al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ, (Beirut: Dār Ibn Kathīr, 1407H), ḥadīth no. 2783.

[5] al-Qur'ān, 11:61–65

[6] al-Qur'ān, 11:88

[7] al-Qur'ān, 11:89

[8] al-Qur'ān, 94:7–8

[9] al-Qur'ān, 26:178

[10] al-Qur'ān, 20:44

[11] 'Abd al-Malik ibn Hishām ibn Ayyūb al-Ḥimyarī, al-Sīrah al-Nabawiyyah, (Cairo: Maṭba'at Muṣṭafā al-Bābī, 1955), 2:117.

[12] Muḥammad ibn Ismā'īl al-Bukhārī, al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ, ḥadīth no. 7.

[13] Muḥammad ibn Muḥammad ibn Muḥammad ibn Aḥmad al-Ya‘marī al-Rab‘ī, ‘Uyūn al-Athar fī Funūn al-Maghāzī wa al-Shamā’il wa al-Siyar, (Beirut: Dār al-Qalam, 1414H), 2:330.

[14] Yūsuf ibn Qiz’ūghlī ibn ‘Abd Allāh Sibt Ibn al-Jawzī, Mir’āt al-Zamān fī Tārīkh al-A‘yān, (Dimashq: Dār al-Risālah al-‘Ālamiyyah, 1434H), 5:322.

[15] - Muḥammad ibn Ḥibbān ibn Aḥmad al-Bustī, Ṣaḥīḥ Ibn Ḥibbān bi-Tartīb Ibn Balbān, (Beirut: Mu’assasat al-Risālah, 1414H), ḥadīth no. 6553.

[16] -al-Qur’ān, 3:7

[17] Muḥammad ibn Jarīr ibn Yazīd al-Ṭabarī, Tārīkh al-Rusul wa al-Mulūk, (Beirut: Dār al-Turāth, 1387H / 1967), 3:246.

[18] Watt, Islamic Political Thought : The Basic Concepts, p. 51.

[19] Ya‘qūb ibn Ibrāhīm ibn Ḥabīb al-Anṣārī al-Kūfī (Abū Yūsuf), Kitāb al-Kharāj, (Lahore: Maktabah Raḥmāniyyah, n.d.), 152.

[20] Ya‘qūb ibn Ibrāhīm ibn Ḥabīb al-Anṣārī al-Kūfī (Abū Yūsuf), Kitāb al-Kharāj, (Lahore: Maktabah Raḥmāniyyah, n.d.), 214.

[21] - Sulaymān ibn Ibrāhīm al-Qandūzī al-Ḥanafī, Yanābī‘ al-Mawaddah li-Dhawī al-Qurbā, (Saudi Arabia: Dār al-Uswah li al-Ṭibā‘ah wa al-Nashr, 1416H), p. 396.

[22] -Aḥmad ibn Yaḥyā ibn Jābir al-Balādhurī, Futūḥ al-Buldān, (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 1408H), p. 112.

[23] al-Qur’ān, 16:125.

[24]- Shiblī Nu‘mānī ibn Ḥabībullāh & Sayyid Sulaymān Nadwī ibn Ḥabībullāh, Sīrat al-Nabī ﷺ, (Lahore: al-Faḍl Nāshirān wa Tājirān, 1191H), 4:91.

[25] -Muḥammad Ḥamīdullāh ibn Muḥammad Ḥabībullāh, Da‘wat wa Irshād, (Maktabat al-Rushd, 1400H), p. 204.

[26] al-Qur’ān, 3:64

[27] Muḥammad Ḥamīdullāh ibn Muḥammad Ḥabībullāh, Siyāsī Wathā’iq, p. 35.

[28] Muḥammad Ḥamīdullāh ibn Muḥammad Ḥabībullāh, Siyāsī Wathā’iq, p. 35.

[29] al-Qur’ān, 79:24

[30] -‘Abd al-Malik ibn Hishām ibn Ayyūb al-Ḥimyarī, al-Sīrah al-Nabawiyyah, (Cairo: Maṭba‘at Muṣṭafā al-Bābī, 1955), 1:285.

[31] -Ismā‘īl ibn ‘Umar ibn Kathīr al-Qurashī al-Dimashqī, al-Bidāyah wa al-Nihāyah, (Beirut: Dār al-Fikr, 1985), 4:265.

[32] -Muḥammad ibn Jarīr ibn Yazīd al-Ṭabarī, Tārīkh al-Rusul wa al-Mulūk, (Beirut: Dār al-Turāth, 1387H / 1967), 3:412.

[33] -'Abd al-Malik ibn Hishām ibn Ayyūb al-Ḥimyarī, al-Sīrah al-Nabawiyyah, (Cairo: Maṭba'at Muṣṭafā al-Bābī, 1955), 1:310.

[34] -Ismā'īl ibn 'Umar ibn Kathīr al-Qurashī al-Dimashqī, al-Bidāyah wa al-Nihāyah, (Beirut: Dār al-Fikr, 1985), 5:178.

[35]al-Qur'ān, 21:107

[36]al-Qur'ān, 16:125

[37] Muḥammad ibn Ismā'īl al-Bukhārī, al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ, ḥadīth no. 7.

[38] -Muḥammad ibn Salāmah al-Quḍā'ī, Musnad al-Shihāb, (Beirut: Mu'assasat al-Risālah, 1407H), ḥadīth no. 1234.

[39]Muḥammad ibn 'Umar al-Wāqidī, al-Maghāzī, (Madīnah Munawwarah: Maktabat Dār al-'Ilm, 1966), 2:415.

[40] Jalāl al-Dīn 'Abd al-Raḥmān ibn Abī Bakr al-Suyūṭī, Tārīkh al-Khulafā', (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1997), p. 125.

[41]al-Qur'ān, 34:28

[42]al-Qur'ān, 17:70

[43]al-Qur'ān, 16:90